دامن کو لیے ہاتھ میں کہتا تھا یہ قاتل
کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی

کیا اعلیٰ حضرت بریلوی اور مولوی اشرفعلی تھانوی نے ایک ساتھ دیو بند میں پڑھا تھا؟

کہی اَن کہی

-: مصنف :-
علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروفؔ'' برکاتی، رضوی، نوری

ناشر
تحریک فکر رضا
167، ڈم ٹمکر روڈ، ناگپاڑہ، ممبئی۔ 008 400
فون: 63 98 343

سفید جھوٹ کے پرخچے

سید آلِ رسول نظمی مارہروی

چشم و چراغ خاندانِ برکات' امام اہلِ سنت' مجدد دین و ملت' غوث و خواجہ کی کرامت' ہمارے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان آج کے دور میں حقانیت کا علامتی نشان' اہلِ سنت والجماعت کی پرکھ اور پہچان' مسلکِ جمہور کی جان ہیں۔

چار سالہ عمر میں ناظرہ قرآن سے فراغت' چھ سال عمر میں میلاد کا بیان' پونے چودہ سال کی عمر میں معقول و منقول تمام علوم درسیہ کی تحصیل سے فراغت' اسی تاریخ کو رضاعت سے متعلق ایک فتوئی کی تحریر' مختلف علوم و فنون پر مشتمل ایک ہزار کے قریب کتب و رسائل کی تدوین' بہترین مفسر' اعلیٰ پائے کے محدث' عظیم المرتبت فقیہہ' بے باک مناظر' علومِ ظاہر و باطن کے امام' بلند پایہ پیر طریقت اور سب سے بڑھ کر سچے عاشق رسول۔ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے جس ایک شخصیت کو ودیعت کیں اُسے علمائے عرب و عجم نے مجدد کہہ کر پکارا' اپنا آقا اپنا مولیٰ اپنا امام تسلیم کیا۔

امام احمد رضا کے نزدیک اسلام کا مفہوم سیدھا سادہ ہے مگر وہ اس شخص کا تعاقب کرتے ہیں جو دین میں نئی نئی باتیں نکالتا ہے اور حقیقت کو خرافات کی نذر کرتا ہے۔ اعلیٰ حضرت اس پر تنقید کرتے ہیں جو ملی وحدت میں رخنہ ڈال کر اس کو پارہ پارہ کرتا ہے اور سوادِ اعظم کو چھوڑ کر ایک نئی راہ نکالتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے نہ کسی نئے عقیدے کی بنیاد ڈالی اور نہ کسی نئے مکتب خیال کی۔ البتہ انھوں نے قدیم عقیدوں اور افکار کو ضروری زندگی عطا کی۔ انھوں نے کسی جماعت سے ہٹ کر نیا فرقہ نہیں بنایا۔ ان کی مخلصانہ تصانیف کا جائزہ لیجیے۔ وہ وہی بات کہتے ہیں جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ اُن کے رسائل اور فتاویٰ تو خیر قرآن اور حدیث کے علوم سے سرشار ہیں ہی۔ ذرا اُن کی شاعری کا مطالعہ کیا جائے ایک ایک مصرعہ کوثر و تسنیم سے دُھلا ہوا' قرآنی مفہوم میں ڈھلا ہوا' فرمانِ رسول کا ترجمان۔ انھوں نے سچی سچی باتیں کہیں کانٹ چھانٹ نہیں کی۔ یہ نہیں کہ کچھ دکھایا کچھ چھپایا۔ انھوں نے وہی عقائد و افکار پیش کیے جو ہر زمانے اور ہر دور میں پیش کیے گئے۔ وہی بات کہی جو صدیوں سے کہی جاری تھی۔ انھوں نے سلف صالحین کے مسلک اور ان کے افکار و عقائد کو زندگی بخشی۔ وہ ایک صاحبِ فکر صاحبِ بصیرت مدبر سیاست داں بھی تھے۔ بلاشبہ امام احمد رضا اپنے دور میں ایسے یکہ و تنہا نظر آتے ہیں جنھوں نے قومی زندگی میں حسن و صداقت کے کتنے ہی نامعلوم پہلو اجاگر کیے جن کی فکر نے انسانی زندگی کے ان ممکنات کو وسعت عطا کی جو اس وقت تک ممکن نظر نہ آتے تھے جب تک وہ وقوع پذیر نہ ہو گئے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ کمال نہیں کہ وہ علومِ عقلیہ و نقلیہ کے ماہر تھے' یہ بھی کمال نہیں کہ وہ بہت بلند پائے کے فلسفی تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ ریاضی و ہیئت کے آخری دانائے راز تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ فقہ کے افق کے درخشاں آفتاب تھے، یہ بھی کمال نہیں کہ عربی، فارسی، اردو اور ہندی میں اچھی شاعری کرتے تھے۔ کمال تو یہ ہے کہ وہ ان تمام خوبیوں کے جامع تھے جو انفرادی طور پر دوسرے لوگوں میں شانِ افتخار اور اولوالعزمی کا سبب بنا کرتی ہیں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان پر اُن کے مرشد برحق حضور خاتم الاکابر شاہ آلِ رسول احمدی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ کی ایسی نظرِ کرم ہوئی کہ وہ زمانے بھر کی نظروں میں مقبول ہو گئے۔ اُن کا قلم اپنوں کے لیے گلاب کی پنکھڑی تھا اور دشمنوں کے لیے خصوصاً شاتمانِ رسول ﷺ کے لیے ذوالفقار حیدری کا جانشین۔ وہ حق جُو تھے، حق بیں تھے، حق گو اور حق پسند تھے، اسی لیے ان کی طبیعت میں شدت تھی۔ بعض علماء کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر

اقبال نے کہا تھا: "اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آپڑتی تو ان کا علم وفضل ملت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صَرف ہوتا اور وہ یقیناً اِس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے"۔

تو جو شخصیت اتنی ہمہ گیر اور نابغہ روزگار ہو اس کی مخالفت اور تنقید کا طومار ایک لازمی امر ہے۔ امام احمد رضا کے مخالفین نہ تقریر کے میدان میں اُن کے آگے ٹک سکے اور نہ تحریر کے میدان میں۔ دشمنوں کے سارے دلائل کو اعلیٰ حضرت نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ تو امام احمد رضا کے مخالفین شیطانی گروہ کو اور کچھ نہ سوجھا، کذب و افترا کا سہارا لیا اور یہ بات اُڑا دی کہ امام احمد رضا اور لئیم الامت تھانوی جی دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ پڑھتے تھے اور وہیں دونوں میں کچھ اَن بن ہوگئی جس کے انتقام کے تحت احمد رضا خاں نے تھانوی جی کو کافر بنا دیا۔ امام الانبیاء فخرِ موجودات عالمِ ماکان وما یکون، مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے بارے میں بھی تو اسی شیطانی گروہ نے دارالعلوم دیوبند سے اردو سیکھنے کی بات اُڑائی تھی۔ مثل مشہور ہے: کھسیانی بلی کھمبا نوچے۔ دیوبندی وہابی فرقہ کو نوچنے کے لیے کھمبا بھی ملا تو بریلی کے اصیل پٹھانوں کا۔ امام احمد رضا اور اشرف علی تھانوی کو دیوبند میں ایک ساتھ تعلیم دلوانے کی بات پھیلا کر طاغوتی لشکر معلوم نہیں کیا ثابت کرنا چاہتا ہے۔ ارے بدبختو! باغ عدن میں اللہ تعالیٰ نے عزازیل کو معلم الملکوت کے منصب پر فائز کیا تھا۔ شیطان نے تو فرشتوں کو بھی پڑھایا مگر خود اُس کا علم اُسے نافع نہیں ہوا۔ فرشتے وہی اللہ کی معصوم اور فرماں بردار مخلوق رہے اور ان کا استاد اپنی سرکشی کی وجہ سے مردود و ملعون ہوگیا۔

عاشقِ رضا مولوی عبدالستار ہمدانی برکاتی رضوی نوری نے شیطانی لشکر کو ٹھکانے لگانے کا بیڑا اُٹھا رکھا ہے۔ رضویات کے تو وہ ماہر ہیں ہی ساتھ ہی "دیوبندیات" کے بھی ایکسپرٹ ہیں۔ ناری فرقوں کی قابلِ اعتراض عبارتیں انھیں منہ زبانی یاد ہیں اور جب وہ "میاں کی جوتی میاں کی چاند" والا فارمولا اپنا کر شیطانی طائفے کے بڑے بڑوں کو عوام کے سامنے ننگا کرنے پر آتے ہیں تو لگتا ہے ذوالفقارِ حیدری نیام سے باہر نکل آئی ہے۔ یہ طویل مقالہ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے اسی برکاتی رضوی نوری خنجر کی کاٹ کا نمونہ ہے۔ ایک ایک دلیل ہمالے سے زیادہ مستحکم اور وزن والی۔ دشمن کی کاٹ اسی کی تلوار سے۔ یہ عبدالستار ہمدانی صاحب کی خصوصیت ہے۔ اگر گروہِ مخالفین میں ذرا بھی غیرت شرم و حیا باقی ہے تو وہ یہ مقالہ پڑھنے کے بعد اپنے منہ میں ڈھول نہ جھونک لیں تو تھوڑا ہے۔ مگر یہ بے شرم گروہ "تلاویات" نامی منات کا پجاری ہے۔ یہ لوگ ابوجہل کی سنت کے پیرو ہیں جس نے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی نبوت کی دلیل مانگی اور جب خود اس کی اندھیری مٹھی میں دبی نورانی کنکریوں نے کلمہ شہادت پڑھ لیا تو وہ یہ کہہ کر بھاگ کھڑا ہوا کہ محمد جادوگر ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔ پر یہ لوگ بھی کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔

اللہ تعالیٰ عبدالستار ہمدانی صاحب کے قلم کو دن دونی رات چوگنی نئی قوت عطا فرمائے اور وہ اسی طرح دشمنانِ رسول کے سینوں کو چھیدتے رہیں۔

سید آلِ رسول حسنین برکاتی

۵ رشوال المکرم ۱۴۲۱ھ سجادہ نشین آستانہ عالیہ مارہرہ مطہرہ

برکاتی ہاؤس، ممبئی

کیا اعلیٰحضرت بریلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک ساتھ پڑھا تھا؟

آج کل تبلیغی جماعت کے مبلغین عوام مسلمین کو بہکانے کے لیے ایسا غلط پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ یہ سُنّی اور وہابی کا اختلاف مذہبی اور اصولی اختلاف نہیں ہے بلکہ ایک نجی اور ذاتی جھگڑے کا ثمرہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا بریلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ تعلیم حاصل کرتے تھے۔ طالب علمی کے زمانہ میں ایک دن دونوں میں جھگڑا ہوا، جس کی وجہ سے اعلیٰ حضرت نے غصہ ہوکر مولوی اشرف علی تھانوی اور دیگر اکابر علمائے دیوبند پر کفر کا فتوٰی دے دیا اور تعلیم ادھوری چھوڑ کر دیوبند سے بریلی چلے گئے۔ بریلی آکر بھی ان کا جلال کم نہ ہوا اور آخر عمر تک وہ اپنے فتوے پر قائم رہے۔

(۱) مذکورہ بالا الزام سراسر جھوٹ کذب صریح اور افترائے مبین ہے۔ جس کے جھوٹ اور غلط ہونے پر تاریخ شاہد ہے اور یہ شہادت ہم اکابر علمائے دیوبند کی کتابوں سے دیتے ہیں۔

(۲) پہلے ہم اعلیٰحضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا یوم ولادت معلوم کریں۔ امام احمد رضا ۱۰/شوال ۱۲۷۲ھ کے دن پیدا ہوئے تھے۔

> ''مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی سلمہ اللہ تعالیٰ بن مولوی نقی علی خاں بن مولوی رضا علی خاں متوطن بریلی روہیلکھنڈ نے بتاریخ دس ماہ دہم یعنی شوال بروز شنبہ ۱۲۷۲ھ عرصۂ دنیا میں قدم مبارک رکھا۔''

(حوالہ: حیاتِ اعلیٰ حضرت مصنف: ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری' ناشر: قادری بک ڈپو، بریلی جلد اوّل صفحہ ۱۱)

(۳) مولوی اشرف علی تھانوی کی پیدائش ۵ ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کی ہے۔ مندرجہ ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

> (الف) ''حضرتِ والا کی ولادت باسعادت ۵، ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ کو چہارشنبہ کے دن بوقت صبح صادق واقع ہوئی''۔

(حوالہ: ''اشرف السوانح'' مصنف: تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص خواجہ عزیز الحسن، ناشر: مکتبۂ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یوپی) جلد ا صفحہ ۱۶)

> (ب) ''فرمایا کہ میرا سِن ولادت ۱۲۸۰ھ ہے۔ پانچویں ربیع الثانی بوقت صبح صادق۔ مادہ تاریخ ''کرم عظیم'' ہے یا ''مکرِ عظیم'' کہیے''۔

(حوالہ:۔ ''حسن العزیز'' ضبط کردہ خواجہ عزیز الحسن' ناشر:۔ مکتبۂ تالیفات اشرفیہ' تھانہ بھون' ضلع مظفر نگر (یو۔پی) جلد ا، ملفوظ ۱۰، صفحہ ۱۸)

(۴) امام احمد رضا محدث بریلوی نے بریلی شریف میں اپنے مکان پر ہی اپنے والد محترم حضرت رئیس الاتقیاء علامہ نقی علی خاں، اپنے جد امجد حضرت مولانا رضا علی خاں اور حضرت مولانا غلام عبدالقادر بیگ سے علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کر کے صرف چودہ سال کی عمر میں یعنی ۱۲۸۶ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کرلی اور اسی سال ۱۲۸۶ھ میں آپ مسند افتاء پر جلوہ گر ہوئے۔

> ''تمام علومِ درسیہ معقول و منقول سب اپنے والد ماجد صاحب سے حاصل کر کے بتاریخ ۱۴/شعبان ۱۲۸۶ھ میں فاتحہ فراغ کیا اور اسی دن ایک رضاعت کا مسئلہ لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا۔ جواب بالکل صحیح تھا۔ والد ماجد صاحب نے ذہن نقاد و طبع وقار دیکھ کر اُسی دن سے فتوٰی نویسی کا کام انکے سپرد فرمایا۔''

(حوالہ:۔ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' مصنف:۔ ملک العلماء حضرت مولانا ظفر الدین بہاری' ناشر:۔ قادری بک ڈپو' بریلی' جلد ا، صفحہ ۱۱۔)

(۵) ۱۲۸۶ھ میں جب امام احمد رضا محدث بریلوی مفتی بن کر اپنے علم کا لوہا علماء اسلام سے منوا رہے تھے تب مولوی اشرف علی تھانوی کی عمر صرف چھ ۶ سال تھی۔ تھانوی صاحب کی پیدائش ۱۲۸۰ھ کی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کا ایک ساتھ دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنا ممکن ہی نہیں۔

(۶) مولوی اشرف تھانوی نے پندرہ ۱۵ سال کی عمر کے بعد یعنی ۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حصول تعلیم کیلئے داخلہ لیا تھا۔ مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

''عربی کی پوری تکمیل دیوبند ہی میں فرمائی اور صرف ۱۹ یا ۲۰ سال ہی کی عمر میں بفضلہ تعالیٰ فارغ التحصیل ہو گئے تھے۔ مدرسۂ دیوبند میں تقریباً پانچ سال بسلسلۂ طالب علمی رہنا ہوا۔ آخر ذیقعدہ ۱۲۹۵ھ میں وہاں داخل ہوئے اور شروع ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہو گئے۔''

(حوالہ:۔''اشرف السوانح'' از:۔ خواجہ عزیز الحسن' ناشر:۔ مکتبۂ تالیفات اشرفیہ' تھانہ بھون (یو۔پی) جلد ۱ صفحہ ۲۴، باب ۶''۔)

یعنی امام احمد رضا محدث بریلوی کے تکمیل علوم ۱۲۸۶ھ کے نو ۹ سال بعد مولوی اشرف علی تھانوی نے ۱۲۹۵ھ میں طالب علمی شروع کی تھی۔ ایسی صورت میں دونوں کا ایک ساتھ پڑھنا اور ہم سبق ہونا کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟

(۷) مولوی اشرف علی تھانوی ۱۳۰۱ھ میں جب ان کی عمر ۲۱ سال کی تھی اس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی کی عمر ۲۹ سال تھی۔ ۱۳۰۱ھ میں جب مولوی اشرف علی تھانوی کی فراغت ہوئی تھی' تب امام احمد رضا افق اسلام پر علم کے آفتاب درخشاں کی مانند پورے عالم اسلام میں شہرت حاصل کر چکے تھے۔ کبائر علمائے اسلام' امام احمد رضا کے علم کا لوہا تسلیم کر کے ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا مان چکے تھے اور ۱۳۰۰ھ تک امام احمد رضا محدث بریلوی پچہتر ۷۵ کتابیں لکھ چکے تھے۔

''ماہ جمادی الآخر ۱۳۰۰ھ میں مفصلہ بریلی' بدایوں' سنبھل' رامپور وغیرہ نے متفقہ طریقہ سے مسئلہ تفضیل میں اعلیٰحضرت سے مناظرہ کا اعلان کیا اس وقت تک پچہتر ۷۵ کتابیں تصنیف فرما چکے تھے۔''

(حوالہ:۔''حیات اعلیٰ حضرت'' مصنفہ علامہ ظفر الدین بہاری، ناشر:۔ قادری بک ڈپو، بریلی جلد ۱، صفحہ ۱۲ اور صفحہ ۱۳۔)

مندرجہ بالا پچہتر ۷۵ کتابوں کی تعداد ۱۳۰۰ھ تک کی ہے اور ۱۳۰۱ھ تک یہ تعداد ایک سو کے قریب پہنچ چکی تھی۔ الختصر ...... جب مولوی اشرف علی تھانوی ۱۳۰۱ھ میں فارغ التحصیل ہی ہوئے تھے، تب امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان تقریباً ایک سو کے قریب نادر و زمن کتب کے مصنف کی حیثیت سے افق علوم اسلامیہ کے آفتاب کی طرح چمک رہے تھے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ مولوی اشرف علی تھانوی نے ان کے ساتھ تعلیم حاصل کی تھی' یہ سراسر جھوٹ اور کذب صریح ہے۔

ناظرین کی معلومات میں اضافہ ہو اس غرض سے ذیل میں امام احمد رضا محدث بریلوی کی چند اُن تصانیف کے نام پیش کر رہا ہوں جو آپ نے ۱۳۰۱ھ تک تصنیف فرمائی تھیں۔

- ☆ شرح هداية النحو (عربی) ۱۲۸۰ھ صرف آٹھ سال کی عمر میں
- ☆ حاشیہ مسلم الثبوت (عربی) ۱۲۸۲ھ صرف دس سال کی عمر میں
- ☆ الزلال الانقى من بحر سبقة الاتقى (عربی) ۱۳۰۰ھ
- ☆ النجوم الثواقب فى تخريج احاديث الكواكب (عربی) ۱۲۹۶ھ
- ☆ اطائب الاكسير فى علم التكسير ۱۲۹۷ھ
- ☆ الرؤض البهيج فى آداب التخريج (عربی) ۱۲۹۶ھ
- ☆ ضوء النهاية فى اعلام الحمد والهدايه (عربی) ۱۲۸۵ھ

- ☆ السعی المشکور فی ابداء الحق المہجور (عربی) ۱۲۹۰ھ
- ☆ یعبر الطالب فی شیون ابی طالب (اردو) ۱۲۹۴ھ
- ☆ مطلع القمرین فی ابانۃ سبقۃ العمرین (اردو) ۱۲۹۷ھ
- ☆ اعتقاد الاحتجاب فی الجمیل والمصطفیٰ والآل والا صحاب (اردو) ۱۲۹۸ھ
- ☆ البشری العاجلہ من تحف آجلہ (عربی) ۱۳۰۰ھ
- ☆ نقاء النیرہ فی شرح الجوہرہ ملقب بہ النیرہ (اردو) ۱۲۹۵ھ
- ☆ احکام الاحکام فی التناول من ید من مالہ حرام (اردو) ۱۲۹۸ھ
- ☆ انفس الفکر فی قربان البقر (اردو) ۱۲۹۸ھ
- ☆ الا مریا حترام المقابر (اردو) ۱۲۹۸ھ
- ☆ اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی التہامہ (اردو) ۱۲۹۹ھ
- ☆ حسن البراعہ فی تنفید حکم الجماعۃ (عربی) ۱۲۹۹ھ
- ☆ النعیم المقیم فی فرحۃ مولد النبی الکریم (اردو) ۱۲۹۹ھ
- ☆ بذل الصفاء لعبد المصطفیٰ (اردو) ۱۳۰۰ھ
- ☆ المقالہ المسفرہ عن حکم البدعۃ المکفرہ (عربی) ۱۳۰۱ھ
- ☆ المجمل المسدد ان ساب المصطفیٰ مرتد (عربی ـ اردو) ۱۳۰۱ھ
- ☆ الطرۃ الرضیہ النیرۃ الوضیہ (عربی) ۱۲۹۵ھ
- ☆ فصل القضاء فی رسم الافتاء (عربی) ۱۲۹۹ھ
- ☆ الجوہر الثمین فیماتنعقد بہ الیمین (عربی) ۱۲۹۹ھ
- ☆ الطراز المذہب فی التزویج بغیر الکفوء و مخالف المذہب (اردو) ۱۲۹۹ھ
- ☆ عبقری حسان فی اجابۃ الاذان (عربی) ۱۲۹۹ھ
- ☆ سوارق الشاء فی حدالمصر والفناء (عربی) ۱۳۰۰ھ
- ☆ لمعۃ الشمعہ فی اشتراط المصر للجمعۃ (عربی) ۱۳۰۰ھ
- ☆ احسن الجلوہ فی تحقیق المیل والزراع والفراسخ والغلوہ (عربی) ۱۳۰۰ھ
- ☆ مرتجی الا جابات لدعاء الاموات (اردو) ۱۲۹۳ھ
- ☆ سیف المصطفی علی ادیان الافتراء (اردو) ۱۲۹۹ھ
- ☆ فتح خیبر (اردو) ۱۳۰۰ھ
- ☆ حل خطاء الخط ۱۲۸۸ھ
- ☆ الرائحۃ العنبر یہ عن الجمرۃ الحیدریہ ۱۳۰۰ھ
- ☆ جوابہائے ترکی بہ ترکی ۱۲۹۲ھ
- ☆ تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال ۱۲۹۲ھ
- ☆ النیرۃ الرضیہ علی النیرۃ الوضیہ ۱۲۹۵ھ

☆ قمر التمام فی نفی الظل عن سید الانام ۱۲۹۶ھ

☆ الاسئلة الفاضلہ علی الطوائف الباطلہ (اردو) ۱۳۰۰ھ

☆ نور عینی فی الانتصار الامام عینی (عربی) ۱۲۹۶ھ

☆ الکلام البہی فی تشبیہ الصدیق بالنبی (اردو) ۱۲۹۷ھ

☆ وجہ المشوق بجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق (اردو) ۱۲۹۷ھ

☆ نفیٔ الفی عمن بنورہ انار کل شئ (اردو) ۱۲۹۶ھ

☆ سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ (اردو) ۱۲۹۷ھ

☆ اجلال جبرئیل بجعلۃ خادما لمحبوب الجلیل (اردو) ۱۲۹۸ھ

☆ ھدی الحیران فی نفی الفیٔ عن الشمس الاکوان (اردو) ۱۲۹۹ھ

☆ حمائد فضلِ رسول (عربی) ۱۳۰۰ھ

☆ مداح فضلِ رسول ((عربی) ۱۳۰۰ھ

☆ نذر گدا در تہنیت شادی اسرئی (اردو) ۱۳۰۰ھ

مذکورہ بالا تصانیف کے علاوہ امام احمد رضا محدث بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۱۳۰۱ھ تک کثیر تعداد میں حواشی، شروح اور فتاویٰ لکھ چکے تھے ۔ امام احمد رضا کے کثیر تعداد میں لکھے ہوئے فتاویٰ جو آپ نے صرف ۱۳۰۱ھ تک لکھے تھے وہ ''فتاویٰ رضویہ شریف'' کی بارہ ۱۲ جلدوں میں پھیلے ہوئے ہیں ۔ اور ۱۳۰۱ھ کے اکثر فتاویٰ دستیاب بھی نہیں ہوسکے۔ جو قلیل تعداد میں دستیاب ہوئے وہی شامل اشاعت ہوسکے۔ الحاصل یہ کہ جب مولوی اشرف علی تھانوی طالب علمی کے دور سے گزر رہے تھے۔ اس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی علم کے بحر ناپیدا کنار کی حیثیت سے عالمِ اسلام کے مابین مشہور و معروف تھے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ مولوی اشرف علی تھانوی ان کے ہم سبق تھے آفتاب کو آئینہ دکھانے کے مانند ہے۔

(۸) ۱۲۸۶ھ میں امام احمد رضا محدث بریلوی مفتی بن چکے تھے اس عرصہ میں مولوی اشرف علی تھانوی کی والدہ کا انتقال ہوا تھا یعنی کہ تب مولوی اشرف علی تھانوی کی عمر تقریباً ۵ پانچ سال تھی۔ والدہ کے انتقال کے بعد مولوی اشرف علی تھانوی کی تربیت اُن کے والد نے کی۔ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

''حضرت والا کی عمر ابھی غالباً پانچ سال ہی کی تھی کہ والدہ مشفقہ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا۔''

(حوالہ:۔ ''اشرف السوانح'' از خواجہ عزیز الحسن' ناشر:۔ مکتبہ تالیفات اشرفیہ' تھانہ بھون' ضلع مظفر نگر' (یو۔پی) جلد ۱، باب ۵، صفحہ ۱۸۔)

(۱۰) مولوی اشرف علی تھانوی اپنی والدہ کے انتقال کے بعد جب اپنے والد کی تربیت میں ۱۲۸۵ھ سے ۱۲۹۵ھ تک دارالعلوم دیوبند میں تحصیل علم کیلئے داخلہ لینے تک رہے۔ اس عرصہ میں مولوی اشرف علی تھانوی ایسی ایسی شرارتیں کرتے تھے کہ مہذب آدمی اسے پڑھ کر شرم سے اپنا سر جھکالے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کی شرارتوں پر مشتمل کچھ واقعات اُن کی سوانح حیات سے اخذ کر کے قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

واقعہ نمبر: ۱ مولوی اشرف علی تھانوی کا اپنے والد کی چارپائی کے پائے باندھ دینا

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب اپنی والدہ کے انتقال کے بعد کی اپنی ایک شرارت فخر کے ساتھ اپنی محفل میں بیان کرتے ہیں۔ جو اُن کے ہی الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔

سامنے آ گئی کہ وہابی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب حافظِ قرآن ہو جانے کے بعد بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے تھے۔ عادت سے مجبور تھے۔ نفس میں شرارت ہی شرارت بھری تھی۔ خود تھانوی صاحب کا قول ہے کہ ''جو ہم دونوں بھائیوں کو سوجھتی تھی وہ کسی کو نہ سوجھتی تھی'' لہٰذا تھانوی صاحب کو ایک نرالی شرارت سوجھی۔ عام حالات میں تو شرارت کرتے ہی تھے لیکن اب حالتِ نماز میں فنِ شرارت دکھا رہے ہیں۔

واقعہ نمبر ۲ ''تھانوی صاحب کا نماز میں حافظ جی کو دھوکا دینا' قہقہہ مار کر ہنسنا اور نماز توڑ دینا''

نماز میں نابینا حافظ صاحب کو دھوکہ دینا اور قہقہہ مار کر ہنسنا اور نماز توڑ دینے کا واقعہ خود تھانوی صاحب کے خلیفہ خاص اپنی کتاب میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

''اور ایک واقعہ حفظ کلام مجید کے بعد کا یاد آیا۔ ایک نابینا حافظ تھے، جن کو کلام مجید بہت پختہ یاد تھا۔ اور اس کا اُن کو ناز بھی تھا۔ اُن کو حضرت والا قبلِ بلوغ نوافل میں کلام مجید سنایا کرتے تھے۔ ایک بار رمضان شریف میں دن کو ان سے کلام مجید کا دور کر رہے تھے۔ حضرت والا نے دور کے وقت ان کو متنبہ کر دیا کہ حافظ جی! میں آج تم کو دھوکا دوں گا اور یہ بھی بتائے دیتا ہوں کہ فلاں آیت میں دھوکا دوں گا۔ حافظ جی نے کہا کہ جاؤ بھی' تم مجھے کیا دھوکا دے سکتے ہو۔ بڑے بڑے حافظ تو مجھے دھوکا دے نہ سکے۔ حضرتِ والا جب سنانے کھڑے ہوئے اور اس آیت پر پہونچے ''انما انت منذر ولکل قوم ھاد'' بہت ترتیل کے ساتھ پڑھا جیسا کہ رکوع کرنے کے قریب حضرتِ والا کا معمول ہے۔ اُس کے بعد اس سے آگے جب اللہ یعلم الخ پڑھنے لگے تو لفظ اللہ کو اس طرح بڑھا کر پڑھا کہ جیسے رکوع میں جا رہے ہوں اور تکبیر یعنی اللہ اکبر کہنے والے ہوں۔ بس حافظ جی یہ سمجھ کر کہ رکوع میں جا رہے ہیں فوراً رکوع میں چلے گئے۔ ادھر حضرت والا نے آگے قرأت شروع کر دی یعلم ما تحمل الخ اب ادھر حافظ جی تو رکوع میں پہونچے اور ادھر حضرت والا نے آگے قرأت شروع کر دی۔ فوراً ہی حافظ جی سیدھے ہو کر کھڑے ہوئے۔ اس پر حضرت والا کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ اور قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور ہنسی سے اس قدر مغلوب ہوئے کہ نماز توڑ کر الگ ہو گئے''۔

(حوالہ: ''اشرف السوانح'' از خواجہ عزیز الحسن' ناشر مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یو۔ پی) جلد ۱، باب ۵، صفحہ ۲۰)

تھانوی صاحب کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہم سبق ہونے کا ڈھونگ کرنے والے عناصر مذکورہ واقعہ سے عبرت لیں کہ حفظ قرآن کے بعد جب تھانوی صاحب ''صلاۃ دھوکہ'' پڑھ رہے تھے اور ابھی ان کا دارالعلوم دیوبند میں داخلہ بھی نہیں ہوا تھا تب امام احمد رضا محدث بریلوی علم لدنی کے دریا سے عالم اسلام کے لاکھوں تشنگانِ علوم کی پیاسیں بجھا رہے تھے۔ ان دونوں کی حالت کا تاریخ کے شواہد کی روشنی میں جائزہ لینے سے یہ بات اظہر من الشمس ہو گی کہ ان دونوں کا ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مذکورہ واقعہ سے تھانوی صاحب کی شریر ذہنیت کا بھی پتہ لگتا ہے۔ اوّل تو یہ کہ تھانوی صاحب شرارت کرنے کے لیے پہلے سے سوچ رہے تھے کہ آج کیا شرارت کروں؟ غور و فکر کے بعد ہی طے کیا کہ آج تو شرارت کے جوہر نماز میں حافظ جی کو دھوکہ دے کر دکھانا چاہیے اور اپنے مقصدِ شرارت میں کامل طور پر کامیاب ہونے کے لیے قرآن مجید کی آیت کا انتخاب بھی کر لیا۔ آیت کو ترتیل سے کس طرح پڑھنا کہ حافظ جی دھوکہ کھا جائیں، یہ بھی ٹھان لیا۔ اور اپنی فن دھوکہ بازی پر ان کو اتنا اعتماد تھا

''خود فرماتے تھے کہ ایک دفعہ مجھے کیا شرارت سوجھی کہ برسات کا زمانہ تھا مگر ایسا کہ کبھی برس گیا کبھی کھل گیا۔ مگر چارپاریاں باہر بچھتی تھیں۔ جب برسنے لگا چارپائیاں اندر کرلیں۔ جب کھل گیا باہر بچھالیں۔ والدہ صاحبہ کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ بس والد صاحب اور ہم دونوں بھائی ہی مکان میں رہتے تھے۔ تینوں کی چارپائیاں ملی ہوئی بچھتی تھیں۔ ایک دن میں نے چپکے سے تینوں چارپائیوں کے پائے رسی سے آپس میں خوب کس کر باندھ دیئے۔ اب رات کو جومینہ برسنا شروع ہوا تو والد صاحب جدھر سے بھی گھسیٹتے ہیں، تینوں کی تینوں چارپائیاں ایک ساتھ گھسٹتی چلی آتی ہیں۔ رسیاں کھولتے ہیں تو کھلتی نہیں کیونکہ خوب کس کر باندھی گئی تھیں۔ کاٹنا چاہا تو چاقو نہیں ملتا غرض بڑی پریشانی ہوئی اور بڑی مشکل سے پائے کھل سکے اور چارپائیاں اندر لے جا سکیں۔ اس میں اتنی دیر لگی کی خوب بھیگ گئے۔ والد صاحب بڑے خفا ہوئے کہ یہ کیا نامعقول حرکت تھی''۔

(حوالہ (۱): ''اشرف السوانح'' از خواجہ عزیز الحسن' ناشر:۔ مکتبہ تالیفات اشرفیہ۔ تھانہ بھون (یو۔ پی) جلد ۱، باب ۵، صفحہ ۲۰)

(حوالہ (۲): ''الافاضات الیومیہ' ناشر:۔ مکتبہ 'دانش' دیوبند جلد ۲، قسط ۱۰، ملفوظ ۸۳۷، صفحہ ۴۷۴۔)

مذکورہ بالا واقعہ ۱۲۸۵ھ کے بعد کا ہے۔ اُس وقت کا ہے جب کہ امام احمد رضا محدث بریلوی تکمیل علوم دینیہ کر کے مفتی کی حیثیت سے خدمتِ دین اور تصنیف کتب میں ہمہ تن مصروف تھے اور تھانوی صاحب اس وقت شوخیٔ نفس کے جذبے میں اپنے والد صاحب کی چارپائی کے پائے رسی سے باندھنے کی شرارت میں غرق تھے۔

معلوم نہیں کہ تھانوی صاحب کے سوانح نگار خواجہ عزیز الحسن نے مذکورہ واقعۂ شرارت کا ذکر کر کے ملت اسلامیہ کو کونسا سبق اخلاق اور نصیحت دین کرنا چاہا ہے یا پھر خلیفۂ مجاز ہونے کا حق ادا کرنے میں لغو حرکت بھی لکھ ماری۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز اور نفرت آور تھانوی صاحب کی ایک اور شرارت آمیز حرکت ملاحظہ فرمائیں۔

واقعہ نمبر ۲: تھانوی صاحب کا اپنے بھائی کے سر پر پیشاب کرنا

اپنے بھائی کے سر کو اپنے پیشاب سے تر کر دینے کی اپنی نازیبا حرکت بلا کسی شرم وحیا کے تھانوی صاحب نے اپنی محفل میں بیان فرمائی۔ جو تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' میں ۱۷ رشوال المکرم ۱۳۵۰ھ کی مجلس کے عنوان کے تحت خود تھانوی صاحب کے الفاظ میں اس طرح ہے:۔

''میں ایک روز پیشاب کر رہا تھا۔ بھائی صاحب نے آ کر میرے سر پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ ایک روز ایسا ہوا کہ بھائی صاحب پیشاب کر رہے تھے۔ میں نے ان کے سر پر پیشاب کرنا شروع کر دیا۔ اتفاق سے اس وقت والد صاحب تشریف لے آئے۔ فرمایا یہ کیا حرکت ہے؟ میں نے عرض کیا ایک روز انھوں نے میرے سر پر پیشاب کیا تھا۔ بھائی نے اس کا بالکل انکار کر دیا۔ مختصر سی پٹائی ہوئی۔ اس لئے کہ میرا تو دعویٰ ہی دعویٰ رہ گیا تھا۔ ثبوت کچھ نہ تھا اور میرے فعل کا مشاہدہ تھا۔ غرض جو کسی کو نہ سوجھتی تھی وہ ہم دونوں بھائیوں کو سوجھتی تھی''۔

(حوالہ:۔ ''الافاضات الیومیہ'' ناشر:۔ مکتبہ 'دانش دیوبند (یو۔ پی) جلد ۲، قسط ۱۰، ملفوظ ۸۳۷، صفحہ ۴۷۵)

مولوی اشرف علی تھانوی کو دارالعلوم دیوبند میں امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہم سبق ہونے کا سفید جھوٹ بولنے والے سیاہ کذابین مذکورہ بالا واقعہ کو پڑھ کر ساکت اور مبہوت ہو جائیں گے، کیونکہ یہ واقعہ بھی اس وقت کا ہے

جب مولوی اشرف علی تھانوی اپنی والدہ کے انتقال کے بعد اپنے والد کی تربیت میں تھے ۔ یعنی ۱۲۸۵ھ کے بہت بعد کا۔ اور اس وقت تھانوی صاحب کی عمر پانچ سال نہیں بلکہ زیادہ رہی ہوگی۔ کیونکہ مذکورہ واقعہ میں تھانوی صاحب نے تفصیل سے واقعہ بیان کیا ہے۔ اور اپنے والد کا مقولہ ' اپنا عذر کرنا اور پھر اپنے والد کے ذریعہ پٹنا تک بیان کیا ہے۔ مذکورہ واقعہ تھانوی صاحب نے اپنی ۱۷ ارشوال سن ۱۳۵۰ھ کی مجلس میں بیان کیا ہے یعنی کہ تب تھانوی صاحب کی عمر ستر ۷۰ سال کی تھی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تھانوی صاحب کو یہ واقعہ من وعن یاد تھا۔ اب رہا سوال یہ کہ یہ واقعہ کب کا ہے؟ ایک بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ تھانوی صاحب جب پانچ سال کے تھے تب ان کی والدہ کا انتقال ہوا تھا۔ لیکن پانچ سال کی عمر کی بات تھانوی صاحب کو بالکل یاد نہ تھی۔ یہاں تک کہ اپنی والدہ کی صورت وشکل بھی۔ قارئین کی خدمت میں ''اشرف السوانح'' کی ایک عبارت پیش کرتا ہوں ۔

> ''حضرتِ والا فرمایا کرتے ہیں کہ مجھے اپنی والدہ صاحبہ کی صورت وشکل تو پورے طور سے یاد ہی نہیں لیکن جب خیال کرتا ہوں تو اتنا یاد آتا ہے کہ ایک چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھی ہیں۔ بس یہ ہیئت ذہن میں باقی رہ گئی ہے اور کچھ یاد نہیں رہا کیونکہ میں بہت ہی چھوٹا تھا۔ چار پانچ سال کی عمر ہی کیا ہوتی ہے''۔

(حوالہ :۔ ''اشرف السوانح'' از:۔ خواجہ عزیز الحسن' ناشر:۔ مکتبہ تالیفات اشرفیہ' تھانہ بھون (یو۔ پی) جلد ۱، باب ۵، صفحہ ۱۸۔)

مذکورہ ملفوظ سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تھانوی صاحب کو پانچ سال کی عمر کی بات یاد نہیں تھی حتیٰ کہ والدہ کی ہیئت بھی۔ حالانکہ اولاد اپنے والدین کی شکل وصورت کبھی بھول نہیں سکتی۔ جب والدہ کی شکل وصورت یاد نہیں تو پانچ سال کی عمر کے اور واقعات کیونکر یاد رہ سکتے ہیں؟ جس کا مطلب یہ ہوا کہ تھانوی صاحب نے اپنے بھائی کے سر پر پیشاب کرنے کی شریر حرکت پانچ سال کی عمر میں نہیں بلکہ زیادہ عمر میں کی تھی۔ اگر یہ ''حرکتِ بول'' پانچ سال کی عمر میں واقع ہوئی ہوتی تو وہ بھی تھانوی صاحب کو اپنی والدہ کی شکل وصورت کی طرح یاد نہ ہوتی۔ لیکن تھانوی صاحب کو ۱۳۵۰ھ یعنی کہ اپنی عمر کے ستر ۷۰ سال گذرنے کے باوجود اس طرح سے یاد تھی کہ انھوں نے یہ حرکت جذبۂ انتقام کے تحت کی تھی۔ کیونکہ ایک دن تھانوی صاحب کے بھائی نے اُن کے سر کو پیشاب سے بھگو دیا تھا لیکن تھانوی صاحب بدلہ لے کر ہی رہے۔ مگر وائے بدنصیبی! ''عین القاءِ بول'' کے وقت تھانوی صاحب کے والد کی تشریف آوری ہوئی اور انھوں نے اپنے ہونہار لختِ جگر کا کرتوت اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تھانوی صاحب نے اپنے دفاع میں بھائی صاحب کی سنت پر عمل کرنے کا عذر پیش کیا لیکن یہ عذر قبولیت کے شرف سے محروم رہا۔ نتیجتاً تھانوی صاحب کی ان کے والد نے پٹائی کی۔ مختصراً یہ کہ تھانوی صاحب نے اپنی محفل میں تفاخراً یہ واقعہ پورے سیاق وسباق کے ساتھ بیان کیا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اس وقت تھانوی صاحب کی عمر یقیناً پانچ سال سے زیادہ ہی تھی۔ اوسط اندازہ لیا جائے تو بھی کم از کم دس سال کی عمر ہوگی یعنی کہ ۱۲۹۰ھ کا واقعہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ اُس وقت تھانوی صاحب کی عمر دس سال رہی ہوگی، اور اس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی کو مسندِ افتاء پر فائز ہوئے پانچ سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ تھانوی صاحب کی عمر صرف پانچ سال کی تھی تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۲۸۶ھ میں جب امام احمد رضا محدث بریلوی مفتی بن چکے تھے تب تھانوی صاحب اپنے بھائی کے سر پر پیشاب کرنے (موتنے) کی نازیبا حرکت اور شرارت میں مصروف تھے۔ ایسی صورت میں تھانوی صاحب کا امام احمد رضا کے ساتھ دار العلوم دیوبند میں پڑھنا ممکن ہی نہیں۔ بلکہ ایسا تصور کرنا بھی محال ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے ۱۲۹۵ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لینے سے قبل قرآن شریف حفظ کیا تھا لیکن حافظ قرآن ہو جانے کے باوجود بھی ان کی شرارتیں جاری تھیں مگر فرق یہ تھا کہ حافظِ قرآن ہو جانے کے بعد وہ حالتِ نماز میں اپنی شرارت کے جوہر وکمال دکھاتے تھے۔ مندرجہ ذیل واقعہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ جس کا مطالعہ کرنے سے یہ بات

کہ حافظ جی کو پہلے ہی سے مطلع کردیا۔صرف اتنا ہی مطلع نہیں کیا کہ میں دھوکہ دوں گا بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ فلاں آیت میں دھوکہ دوں گا۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ تھانوی صاحب کو اپنے فن دھوکہ بازی پر کامل اعتماد تھا، بلکہ مہارت تامہ بھی حاصل تھی۔حافظ جی کو اپنے حافظہ پر ناز تھا اسی لیے تو تھانوی صاحب کو جواب میں کہا کہ ''جاؤ بھی' تم مجھے کیا دھوکہ دے سکتے ہو' بڑے بڑے حافظ تو مجھے دھوکہ دے نہ سکے'' لیکن حافظ صاحب اس حقیقت سے ناواقف تھے کہ میں جس کو چیلنج دے رہا ہوں وہ کوئی معمولی دھوکہ باز نہیں بلکہ دھوکے بازوں کی جماعت کا سردار ہے۔انجام کار حافظ جی دھوکہ کھا ہی گئے۔

اب ذرا تھانوی صاحب کی دھوکہ بازی درحالتِ نماز کا جائزہ لیں۔بحیثیت امام تھانوی صاحب قرآن مجید کی قرأت کررہے تھے لیکن خشوع وخضوع کا فقدان ہے کیونکہ ذہن میں تو یہی بات ہے کہ کب وہ آیت پہ پہونچوں اور ترتیل سے پڑھ کر حافظ صاحب کو دھوکہ دوں۔قرأتِ قرآن کررہے ہیں لیکن سب توجہ اس آیت پر ہے جس میں وہ دھوکہ دینے والے تھے۔وہ آیت آتے ہی تھانوی صاحب نے اس کو ترتیل سے اس طرح پڑھا کہ گویا وہ قرأت پوری کرکے رکوع میں جانے والے ہوں۔علاوہ ازیں ''اللّٰہ یعلم الخ میں لفظ اللّٰہ کو اس طرح پڑھا کہ جیسے رکوع میں جارہے ہوں۔پیچھے کھڑے حافظ جی یہ سمجھے کہ تھانوی صاحب رکوع میں جارہے ہیں اس لیے وہ رکوع میں چلے گئے۔لیکن تھانوی صاحب نے آگے قرأت شروع کردی۔

اب ذرا دیکھیے! تھانوی صاحب امام ہونے کی حیثیت سے آگے کھڑے ہیں۔حالتِ نماز میں قیام کے دوران نمازی کی نگاہ سجدہ گاہ پر ہوتی ہے۔اس کے پیچھے کیا ہورہا ہے اس کو معلوم نہیں ہوتا۔لیکن یہاں تھانوی صاحب آگے سے کس طرح دیکھ رہے تھے کہ حافظ جی رکوع میں چلے گئے ہیں۔ضرور پیچھے کو مڑ کر دیکھا ہوگا۔جب حافظ جی رکوع میں گئے اور تھانوی صاحب نے آگے قرأت شروع کردی تب حافظ جی کو پتہ چلا کہ واقعی میں دھوکا کھا گیا۔چھوکرے نے دھوکہ دے ہی دیا اس لیے وہ رکوع سے واپس قیام کی حالت میں آگئے۔ان کی یہ تمام حرکت تھانوی صاحب آگے امام ہونے کے باوجود دیکھ رہے تھے۔اپنی کامیابی پر شاداں تھے۔فن دھوکہ بازی کی کامیابی پر فرطِ مسرت میں عین حالتِ نماز میں قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ہنسی کا غلبہ اتنا ہوگا کہ ضبط کرنا دشوار تھا اس لیے نماز توڑ دی۔

وہابی تبلیغی جماعت کے حکیم الامت کی حکمت عملی دیکھو۔نماز اسلام کا اہم رکن اور افضل العبادات ہے۔ہر مومن نماز کا وقار اور ادب ملحوظ رکھتا ہے۔بلکہ غیر مسلم بھی نماز کی تعظیم بجالاتے ہیں۔بہت دفعہ تجربہ ہوا ہے کہ ٹرین کے سفر میں کمپارٹمنٹ میں بحیثیت مسافر غیر مسلم بھی ہوتے ہیں۔وہ اپنی ہنسی مذاق کی باتیں کررہے ہیں۔لیکن جب نماز کا وقت ہوتا ہے اور کوئی مسلمان مسافر نماز شروع کرتا ہے فوراً وہ غیر مسلم لوگ خاموش ہوجائیں گے اور نماز کا ادب بجالائیں گے۔لیکن وائے افسوس! وہابی تبلیغی جماعت کے لوگ جن کو حکیم الامت کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں وہ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نماز کو ایک مضحکہ خیز انداز میں شرارت کی جائے وقوع بنارہے ہیں اور وہ بھی کب؟ حافظِ قرآن ہوجانے کے بعد۔جس نے قرآن مجید کے تیس ۳۰ پارے اپنے سینے میں اُتارے تھے وہ نماز کی عظمت و وقعت کے لیے اپنے دل میں تھوڑی بھی جگہ نہیں رکھتے تھے۔شرارت کرنے کی سوجھی بھی تو نماز ہی میں اور وہ بھی قرآن مجید کی آیت میں دھوکہ دے کر......!!!

ہوسکتا ہے کہ قارئین میں سے کسی صاحب کو میرا وہ جملہ کہ ''تھانوی صاحب دھوکہ بازوں کی جماعت کے سردار ہیں'' اچھا نہ لگا ہو۔لیکن دھوکہ بازی کی فنکاری تھانوی صاحب میں کیسی تھی اس کا جائزہ لیں۔تھانوی صاحب کے خلیفۂ خاص خواجہ عزیز الحسن کیا فرماتے ہیں' ملاحظہ ہو۔

''حضرت اقدس کسی کام سے فارغ ہوتے ہی فوراً تسبیح سنبھالتے تھے اور بعض اوقات مزاحاً فرماتے

کہ میں نے اس کا نام جال رکھا ہے کیونکہ اسی سے لوگ پھنستے ہیں"۔

(حوالہ:۔"خاتمۃ السوانح" از خواجہ عزیز الحسن ناشر:۔مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون بار دوم صفحہ ۶۸۔)

مذکورہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہ کرتے ہوئے قارئین کی خدمت میں تھانوی صاحب کی عادت دھوکہ بازی کی ایک عجیب وغریب حکایت پیش کر رہا ہوں:۔

"ایک شخص درویش یہاں آئے تھے۔ مریدوں کو خوب روٹیاں کھلائیں۔ حتیٰ کہ چھ ہزار کے مقروض ہو گئے۔ مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو یہ امید تھی کہ مریدوں سے وصول ہو جائے گا۔ مگر وصول کچھ بھی نہیں ہوا۔ آپ فلاں ریاست کے پریذیڈنٹ کو سفارش لکھ دیں کہ وہ اتنی رقم قرض دے دیں۔ میں نے لحاظ میں نے دب کر لکھ دیا۔ لیکن اس خیال سے کہ اُن پر بار نہ پڑے اس لیے بمصلحت ایک خط ڈاک میں لکھ کر روانہ کر دیا کہ اس قسم کا خط اگر کوئی شخص لائے تو میری طرف سے اس کو بہتم بالشان نہ سمجھا جائے۔ جو مناسب ہو عمل کیا جائے گا۔ اب اس صورت میں میری طرف سے ان پر کوئی بار نہ رہا۔ جو اُن کو مناسب معلوم ہو گا' وہ کیا ہو گا۔"

(حوالہ (۱):۔"حسن العزیز" مرتبہ حکیم مولوی محمد یوسف بجنوری ناشر:۔مکتبہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر (یو۔پی) جلد ۳ ،حصہ ۱، قسط ۱۲، صفحہ ۱۰۲۔)

(حوالہ (۲):۔"کمالات اشرفیہ" (۱۹۹۵ء) تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ، ناشر:۔ادارہ تالیفات اشرفیہ، تھانہ بھون (یو۔پی) باب ۱ ملفوظ ۶۰۳، صفحہ ۱۲۲۔)

مذکورہ عبارت پر کچھ تبصرہ کرنے سے پہلے ایک اور عبارت ملاحظہ فرمائیں جو مذکورہ عبارت سے ملتی جلتی ہے اور دھوکہ بازی پر مشتمل ہے:۔

تھانوی صاحب اپنی دھوکہ بازی کی حرکت کو مجلس میں تفاخراً اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

"بعض لوگ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ یہ مضمون سفارش کا لکھ دو۔ میں ان سے کہہ دیتا ہوں کہ اچھا تم اس کا مسودہ کر لاؤ۔ میں اس کی نقل کر دوں گا۔ چنانچہ وہ اپنی حسب منشاء لکھا لاتے ہیں۔ میں اس کی نقل کر کے روانہ کر دیتا ہوں مگر پیچھے سے فوراً ایک کارڈ میں لکھ کر ڈاک میں بھیج دیتا ہوں کہ فلاں فلاں مضمون کا خط تمہارے پاس پہنچے گا وہ میرا مضمون نہیں ہے تم اس کے موافق عمل کو ضروری نہ سمجھنا۔"

(حوالہ (۱):۔"حسن العزیز" ناشر:۔مکتبہ تالیفات اشرفیہ۔تھانہ بھون (یو۔پی) جلد ۲، حصہ ۲، قسط ۱۵، ملفوظ ۱۳۸، صفحہ ۲۳)

(حوالہ (۲):۔"کمالات اشرفیہ" ناشر۔ادارہ تالیفات اشرفیہ۔تھانہ بھون (یو۔پی) سن اشاعت ۱۹۹۵ء باب ۲، ملفوظ ۵۰، صفحہ ۳۲۵)

مذکورہ اقتباسات کو ایک مرتبہ نہیں بلکہ کئی مرتبہ پڑھیں اور تھانوی صاحب کی شانِ فراڈ کی داد دیں۔ پہلی عبارت "خاتمۃ السوانح" میں تھانوی صاحب کا کہنا کہ "میں نے تسبیح کا نام "جال" رکھا ہے کیونکہ اسی سے لوگ پھنستے ہیں"۔ اس جملہ سے تھانوی صاحب کی ذہنیت کا پتہ لگتا ہے۔ تسبیح جو کہ عبادت کی نشانی ہے، اس تسبیح کو تھانوی صاحب "جال" کا خطاب عطا فرمارہے ہیں اور اس کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ اسی سے لوگ پھنستے ہیں" تو کیا تھانوی صاحب لوگوں کو پھنسانے کے لیے ہاتھ میں تسبیح لے کر بیٹھتے تھے کہ "آ جا پھنستا جا"۔ تبلیغی جماعت کے اکثر مبلغین ہر وقت ہاتھ میں کیا اسی مقصد کے تحت تسبیح لے کر گھومتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ کے کروڑوں بھولے بھالے افراد ان کے جبہ، دستار اور تسبیح کو دیکھ کر دھوکہ کھا گئے اور ان کے دامِ فریب کے شکار بن کر گمراہیت کی راہ پر چل نکلے ہیں۔

دوسری اور تیسری عبارت میں تھانوی صاحب خود اعتراف کرتے ہیں کہ میں لوگوں کو دھوکہ دیتا ہوں۔ ایک درویش چھ ہزار کے مقروض تھے انھوں نے تھانوی صاحب کو کسی ریاست کے پریزیڈنٹ کو سفارش کا خط لکھ دینے کی گذارش کی تو تھانوی صاحب نے سفارش کا خط لکھ دیا۔ وہ مقروض درویش تو خوش ہو گئے ہوں گے کہ واہ کام بن گیا۔ حضرت نے سفارش کا خط لکھ کر میرا کام کر دیا۔ خوشی خوشی وہ درویش تھانوی صاحب کا خط لے کر سفر کی تکلیفیں جھیل کر ریاست کے پریزیڈنٹ کے پاس پہونچے ہوں گے اور یہی امید لے کر گئے ہوں گے کہ خط دیتے ہی میرا کام ہو جائے گا۔ لیکن اس درویش کو کیا معلوم کہ جس خط کو وہ اپنی آرزو اور امید کے پورا ہونے کا سبب سمجھ کر ایک قیمتی سرمایہ کی طرح حفاظت کر رہے تھے وہ ایک ردّی کاغذ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ ادھر درویش نے تھانوی صاحب سے رخصت لی اور فوراً تھانوی صاحب نے فنِ دھوکہ بازی کے جوہر دکھاتے ہوئے بذریعہ ڈاک ایک الگ خط مکتوب الیہ کو لکھ دیا کہ میرا اس قسم کا خط لے کر کوئی شخص آپ کے پاس آئے تو اس خط کے مطابق عمل نہ کرنا بلکہ آپ کو جو مناسب معلوم ہو اس کے مطابق عمل کرنا۔

اب جب وہ مقروض درویش تھانوی صاحب کا خط لے کر ریاست کے پریزیڈنٹ کے پاس گئے ہوں گے تو انھوں نے اس خط پر قطعاً التفات نہ کیا ہوگا۔ بلکہ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ وہی خط ہے جس کی مجھ کو تھانوی صاحب نے بذریعہ ڈاک اطلاع دی ہے۔ لہٰذا اب اس پر کوئی توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

قارئین حضرات سے گذارش ہے کہ آپ سوچیں! اگر مقروض درویش کو تھانوی صاحب پہلے ہی سے انکار کر دیتے تو یہ ایک الگ بات تھی لیکن تھانوی صاحب نے سیاسی لیڈر کی طرح ''منہ پر میٹھا اور پیٹھ پر کڑوا'' کا رول ادا کیا۔ درویش کو سفارش کا دستی خط دیا۔ وہ درویش خط لے کر سفر کا خرچ اور مشقت برداشت کر کے مکتوب الیہ کے پاس پہونچے اور وہاں سے کھوٹے سکے کی طرح واپس آئے۔ کیا یہ دھوکہ بازی نہیں؟ کیا دیانتداری ہے؟ کیا اسلام کی یہی تعلیم ہے؟ کیا ملتِ اسلامیہ کے مجدد ہونے کا دعویٰ کرنے والے کا یہی کردار ہوتا ہے؟

تھانوی صاحب کی محبت میں اندھے کسی نے تھانوی صاحب کے دفاع میں یہ کہا کہ وہ درویش تھانوی صاحب کو سفارشی خط لکھنے کے لیے تنگ کر رہے تھے اور دماغ کھا رہے تھے اس لیے تھانوی صاحب نے جان چھڑانے کے لیے اس درویش کو اس ترکیب سے دفع کیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ تھانوی صاحب کے ڈبل پالیسی والے خطوط کا صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ یہی اُن کا معمول تھا کہ وہ ہمیشہ سفارش کا دستی خط کسی کو دینے کے بعد مکتوب الیہ کو ڈاک سے علیحدہ خط لکھ کر مطلع کر دیتے ہیں کہ ''فلاں مضمون کا خط تمہارے پاس پہونچے گا وہ میرا مضمون نہیں تم اس کے موافق کو ضروری نہ سمجھنا''۔ مذکورہ جملہ میں تھانوی صاحب نے تاویل کا پہلو رکھا ہے جس کے تعلق سے طویل تبصرہ کیا جا سکتا ہے لیکن مضمون کی طوالت کا خیال کرتے ہوئے صرف اتنا کہنا کہ عوام مسلمین کو دھوکہ دینا' ان کو اذیت پہونچانا' ان کو جان' مال اور وقت کا نقصان پہونچانا تھانوی صاحب کے لیے عام بات تھی۔ تھانوی صاحب کی سوانح حیات پر مشتمل کتابوں میں ایسے کئی حوالے موجود ہیں جس میں تھانوی صاحب نے دھوکہ بازی کی اور لوگوں کو بھی دھوکہ بازی کی تعلیم دی۔......

انشاء اللہ تھانوی صاحب کی دھوکہ بازی پر ایک الگ کتاب مرتب کروں گا جس میں وہ تمام واقعات شامل کتاب کر دوں گا۔ اس وقت تو ہمیں اس بات پر بحث کرنی ہے کہ کیا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان اور مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک ساتھ دارالعلوم دیوبند میں پڑھا تھا؟ اس ضمن میں ہم نے قارئین کی خدمت میں کئی تاریخی شواہد پیش کیے ہیں۔ جس کے مطالعے سے قارئین اس بات پر متفق ہو گئے ہوں گے کہ ان دونوں کا ایک ساتھ تعلیم حاصل کرنا ممکن ہی نہیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی جب اپنی خداداد صلاحیتوں سے قلیل عمر میں پوری دنیا کے علماء سے اپنے علم کا لوہا منوا رہے تھے اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے' آپ کے کردار سے' آپ کے عمل سے اور آپ کے قلم کی نوک سے علم و عرفان و معروفت کے دریا بہہ رہے تھے تب تھانوی صاحب اپنے بچپنے کی بچکانہ اور جاہلانہ شرارت کی حرکتوں میں گرفتار تھے۔ تھانوی صاحب اپنی عمر کے ستر ۷۰ سال گذرنے کے بعد بھی اپنی وہ حرکتیں بھولے نہیں تھے اور اپنے بچپن کی حرکتوں کے واقعات تفاخراً اور تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کرتے تھے۔

''الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ'' میں ۷ ارشوال المکرّم ۱۳۵۰ھ مجلس بعد نماز ظہر یوم پنجشنبہ کے عنوان کے تحت تھانوی صاحب کی زبانی اُن کے بچپن کی کچھ شرارتیں مذکورہ ہیں۔ ان میں سے اپنے بھائی کے سر پر پیشاب کرنے کی شرارت اور اپنے والد کی چارپائی کے پائے رسی سے باندھنے کی شرارت تو آپ پڑھ چکے۔ آیئے! تھانوی صاحب کی ان شرارتوں میں سے مزید دو آپ کو دکھائیں :۔

''تھانوی صاحب نے نمازیوں کے جوتے شامیانہ پر پھینک دیئے۔''

خود تھانوی صاحب بیان کرتے ہیں کہ :۔

> ''ایک مرتبہ میرٹھ میں میاں الٰہی بخش صاحب مرحوم کی کوٹھی میں جو مسجد ہے، سب نمازیوں کے جوتے جمع کرکے اس کے شامیانہ پر پھینک دیئے۔ نمازیوں میں غل مچا کہ جوتے کیا ہوئے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ لٹک رہے ہیں مگر کسی نے کچھ نہ کہا۔ یہ خدا کا فضل تھا۔ باوجود ان حرکتوں کے اذیت کسی نے نہیں پہونچائی۔ وہ ہی قصہ رہا جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔
>
> تم کو آتا ہے پیار پر غصہ　　　ہم کو غصہ پہ پیار آتا ہے
>
> ''یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ورنہ ایسی حرکتوں پر پٹائی ہوا کرتی ہے۔''

(حوالہ :۔ ''الافاضات الیومیہ'' ناشر: مکتبۂ دانش۔ دیوبند (یوپی) جلد ۲، قسط ۱۰، ملفوظ ۸۴۷، صفحہ ۲۷۵۔)

مذکورہ واقعہ میں تھانوی صاحب نے اپنی شرارت کے ضمن میں جو کہا کہ ''یہ سب اللہ کی طرف سے ہے ورنہ ایسی حرکتوں پر پٹائی ہوا کرتی ہے'' یہ جملہ تھانوی صاحب نے تحدیثِ نعمت کے طور پر کہا ہے۔ گویا کہ تھانوی صاحب اپنی نازیبا حرکت پر پٹائی نہ ہونا من جانب اللہ بتا رہے ہیں حالانکہ خود تھانوی صاحب کو اعتراف ہے کہ میری یہ حرکت پٹائی اور کی سزا کی مستحق ہے۔ لیکن تھانوی صاحب بارگاہِ خداوندی میں اپنی مقبولیت کی شوخی ظاہر کرتے ہیں کہ مقبولان بارگاہ خداوندی کی خدا حفاظت فرماتا ہے۔ واہ تھانوی صاحب واہ! بارگاہِ خداوندی کے مقبول ہونے کی شوخی میں یہ بھول گئے کہ کیا بارگاہ خدا کے مقبول بندے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنے والوں کے جوتے شامیانے پر پھینکا کرتے ہیں؟ ارے بارگاہِ خدا کا مقبول تو مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آنے والوں کی ہر ممکن خدمت کرنے کی کوشش کرے گا۔ نمازیوں کے جوتوں کی حفاظت کرے گا، نہ کہ جوتوں کو شامیانہ پر پھینک کر نمازیوں کو پریشان کرے گا۔ اس پر طرّہ یہ کہ اپنی مذموم حرکت کو اپنی شان مقبول بارگاہ خداوندی کی حیثیت سے تھانوی صاحب نے اپنے بڑھاپے کے دنوں میں تفاخراً بیان کرکے ملت کو کونسے اخلاق سکھا رہے ہیں۔ بچپن میں تو شرارت کی لیکن بڑھاپے میں بھی کیا وہ سٹھیا گئے تھے کہ اپنی بے شرم حرکت کو تحدیثِ نعمت کے طور پر بیان کر رہے ہیں۔

''تھانوی صاحب نے اپنے سوتیلے ماموں کی دال کی رکابی میں کتے کا پلّہ ڈال دیا''

تھانوی صاحب اپنی ایک اور شرارت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ :۔

''ایک صاحب تھے سیکری کے، ہماری سوتیلی والدہ کے بھائی۔ بہت ہی نیک اور سادہ آدمی تھے۔ والدصاحب نے ان کو ٹھیکہ کے کام پر رکھ چھوڑا تھا۔ ایک مرتبہ کمسریٹ سے گرمی میں بھوکے پیاسے پریشان گھر آئے اور کھانا نکال کر کھانے میں مشغول ہوئے۔ گھر کے سامنے بازار ہے۔ میں نے سڑک پر سے ایک کتے کا پلہ چھوٹا سا پکڑ کر گھر لاکر ان کی دال کی رکابی میں رکھ دیا۔ بیچارے روٹی چھوڑ کر کھڑے ہوگئے اور کچھ نہیں کہا۔''

(حوالہ:۔''الافاضات الیومیہ'' ناشر:۔ مکتبۂ دانش، دیوبند (یوپی) جلد ۲، قسط ۱۰، ملفوظ ۸۷۳، صفحہ ۴۷۵)

تھانوی صاحب کی والدہ کا انتقال تھانوی صاحب کی عمر جب پانچ سال تھی، تب ہوا تھا یعنی کہ ۱۲۸۵ھ میں۔ اس وقت امام احمد رضا محدث بریلوی تمام علوم دینیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ تھانوی صاحب کی والدہ کے انتقال کے بعد اُن کے والد نے عقد ثانی کیا تھا۔ تھانوی صاحب کی سوتیلی ماں کے ایک بھائی تھے جو بقول تھانوی صاحب صرف نیک ہی نہیں بلکہ بہت ہی نیک اور سادہ آدمی تھے۔ اس سے یہ پتہ چلا کہ تھانوی صاحب کو اپنے سوتیلے ماموں کے افعال و کردار برابر یاد تھے اور وہ بھی ۱۳۵۰ھ تک یعنی کہ جب تھانوی صاحب ستر سال کے بوڑھے ہو چکے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اپنے سوتیلے ماموں کی دال کی رکابی میں کتے کا پلہ ڈالنے کا واقعہ ۱۲۸۵ھ کے بہت بعد کا ہے کیونکہ تھانوی صاحب کی والدہ کا انتقال ۱۲۸۵ھ میں جب ہوا تھا تب تھانوی صاحب کی عمر صرف پانچ سال تھی اور تھانوی صاحب کو پانچ سال کی عمر کا کچھ بھی یاد نہ تھا۔ یہاں تک کہ اپنی والدہ کی شکل وصورت تک یاد نہ تھی۔ جس کا حوالہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا۔ لیکن یہاں اس واقعہ میں تھانوی صاحب کو سب کچھ یاد ہے۔ اپنے سوتیلے ماموں نیک اور سادہ آدمی تھے بلکہ وہ جس رکابی میں کھا رہے تھے اور جس میں تھانوی صاحب نے کتے کا پلہ ڈال دیا تھا، اس رکابی میں دال تھی۔ دال کے علاوہ اور کوئی سالن یا ترکاری نہ تھی۔ گھر کے سامنے بازار تھا اور اسی بازار سے تھانوی صاحب نے کتے کا پلہ پکڑ کر اپنے سوتیلے ماموں کی دال کی رکابی میں ڈالا تھا۔ وہ بھی تھانوی صاحب کو یاد ہے۔ تھانوی صاحب کے ماموں کھانا چھوڑ کر کھڑے ہوگئے اور کچھ نہیں کہا۔ یہ بھی تھانوی صاحب کو یاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ واقعہ ۱۲۸۵ھ کے بہت بعد کا ہے۔

قارئین کی خدمت میں مزید معلومات فراہم کرنے کی غرض سے عرض ہے کہ گزشتہ صفحات میں واقعہ نمبر ۱ ''تھانوی صاحب کا اپنے والد کی چارپائی کے پائے رسی سے باندھنا'' کا جو واقعہ بیان کیا ہے وہ ''اشرف السوانح'' جلد اوّل، صفحہ ۲۰ کی عبارت سے لفظ بلفظ نقل کیا گیا ہے۔ اور وہ حوالہ نمبر ۱ ہے لیکن حوالہ نمبر ۲ میں ''الافاضات الیومیہ'' جلد ۲، قسط ۱۰، ملفوظ ۸۲۷، صفحہ ۴۷۴ لکھا ہے۔ اس حوالے کی عبارت میں یہ بھی لکھا ہے کہ تھانوی صاحب کہتے ہیں کہ:۔

''صحیح تو یاد نہیں کہ اس حرکت پر کوئی چپت لگا'یا نہیں۔'' (حوالہ مذکورہ بالا)

تھانوی صاحب کا اپنے والد کی چارپائی کے پائے رسی سے باندھنے کا واقعہ تھانوی صاحب کی والدہ کے انتقال کے بعد کا یعنی ۱۲۸۵ھ کے بعد کا ہے۔ لیکن اس واقعہ میں مذکور حرکت پر تھانوی صاحب کے والد نے ان کو کوئی چپت (تھپڑ) ماری یا نہیں؟ وہ تھانوی صاحب کو یاد نہیں لیکن اپنے سوتیلے ماموں کی رکابی میں کتے کا پلہ ڈالنے کی حرکت پر سوتیلے ماموں نے ''کچھ نہیں کہا'' یہ تھانوی صاحب کو برابر یاد ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ''دال کی رکابی میں کتے کا پلہ'' والا واقعہ ۱۲۸۵ھ کے بہت بعد کا ہے۔ اس وقت کا ہے جب امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان آفتاب علم وہدایت کی حیثیت سے عالم اسلام میں چمک دمک رہے تھے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ مولوی اشرف علی تھانوی ان کے ہم سبق تھے سراسر جھوٹ، حماقت، بے وقوفی اور استہزا ہے۔

الحاصل! امام احمد رضا محقق بریلوی اور مولوی اشرفعلی تھانوی نے دار العلوم دیوبند میں ایک ساتھ نہیں پڑھا تھا اس حقیقت کے ثبوت میں دیوبندی مکتبۂ فکر کے معتبر و مستند کتابوں کے کچھ حوالے پیش خدمت ہیں:-

تاریخی شہادت

دور حاضر کے فریب کار اور کذاب وہابی ملا عوام الناس کو دھوکہ دینے کی فاسد غرض سے یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ سنی اور وہابی کا جھگڑا کوئی اصولی اختلاف کی بناء پر نہیں بلکہ مولانا احمد رضا بریلوی اور مولوی اشرفعلی تھانوی ایک ساتھ دارالعلوم دیوبند میں پڑھتے تھے اور زمانہ طالب علمی میں یہ دونوں حضرات دارالعلوم دیوبند کے ایک کمرہ میں رہتے تھے اور مطبخ سے ساتھ میں کھانا کھاتے تھے لیکن اُن کے درمیان کسی وجہ سے جھگڑا ہو گیا اور مولانا احمد رضا پٹھان خاندان کے تھے اور غیظ وغصہ پٹھانوں میں زیادہ ہوتا ہے لہٰذا انہوں نے نسبی تاثیر سے متاثر ہو کر تھانوی صاحب پر کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور دار العلوم دیوبند کی پڑھائی بھی ادھوری چھوڑ کر بریلی چلے گئے اور زندگی کی آخری سانس تک اپنے فتوے پر اڑے رہے اور تھانوی صاحب اور دیگر علمائے دیوبند کو کافر کہتے رہے۔

معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ! سراسر کذب اور دروغ گوئی پر مشتمل مذکورہ مصنوعی واقعہ کو اتنا پھیلایا گیا ہے کہ سادہ لوح مسلمان اس کے دام فریب میں بہت جلد اور آسانی سے گرفتار ہو جاتا ہے۔ اس جھوٹے بہتان کا اوراق سابقہ میں مدلل اور مسکت جواب ہم نے ارقام کر دیا ہے۔ اب ہم کچھ تاریخی شہادتیں معزز قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

سب سے مقدم بات تو یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا دارالعلوم دیوبند میں تعلیم لینا تو درکنار آپ زندگی بھر کبھی "دیوبند" گاؤں میں تشریف ہی نہیں لے گئے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے اپنی حیات طیبہ میں بہت ہی کم اسفار کیے ہیں، دو مرتبہ حرمین شریفین کی زیارت کے مبارک سفر کے علاوہ کلکتہ، جبلپور، لکھنو، مارہرہ، بمبئی، دہلی، احمد آباد وغیرہ کے طویل سفر فرمائے ہیں، لیکن ضلع سہارنپور، مظفر نگر وغیرہ علاقوں کی طرف جانے کا کبھی اتفاق ہی نہیں ہوا۔ رہا اب یہ سوال! کہ طالب علمی کے زمانہ میں حصول تعلیم کی غرض سے دیوبند گئے ہوں یہ ممکن ہو سکتا ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل بریلی شریف میں ہی رہ کر مکمل فرمائی ہے۔ بلکہ بریلی شریف میں بھی کسی مدرسہ یا دارالعلوم میں آپ نے داخلہ لے کر نہیں پڑھا۔ تمام علوم آپ نے اپنے مکان ہی پر والد ماجد، بقیۃ السلف، عالم جلیل، فاضل نبیل، حضرت علامہ مولانا مفتی نقی علی خاں صاحب سے اور ان کی نگرانی میں دیگر اساتذۂ کرام سے پڑھا ہے۔ آپ کے اساتذۂ کرام کی تعداد بہت ہی مختصر ہے:-

(۱) حضرت علامہ رئیس المحققین، مولانا نقی علی خاں صاحب

(۲) حضرت علامہ مرزا عبد القادر بیگ

(۳) خاتم الاکابر حضرت علامہ سید شاہ آل رسول مارہروی

(۴) حضرت علامہ سید شاہ ابو الحسین احمد نوری مارہروی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم

امام احمد رضا کے دورِ طالب علمی میں دارالعلوم دیوبند کا وجود ہی نہیں تھا

مولوی اشرفعلی تھانوی جیسے شریر، کھلی باز اور تمسخر فطرت کو امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ہم سبق اور ہم جماعت ثابت کرنے کی سعئ ناکام کرنے والے دروغ گو ملا شاید تاریخ سے یک لخت انجان اور جاہل ہیں۔ کیونکہ اعلیٰ

حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے دور طالب علمی کے زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کا وجود ہی نہیں تھا۔ اوراقِ سابقہ میں قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ:-

- امام احمد رضا کی پیدائش ۱۰؍شوال ۱۲۷۲ھ کو ہوئی ہے۔
- آپ نے چار سال، چارہ ماہ اور چار دن کی عمر شریف میں حصول تعلیم کا آغاز فرمایا۔ یعنی ماہِ صفر المظفر ۱۲۷۶ھ میں۔
- امام احمد رضا نے تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کر کے ۱۴؍شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو مسند افتاء پر فائز ہو کر فتویٰ نویسی کی خدمت کا آغاز فرمایا۔ اور رضاعت کے تعلق سے ایک مشکل سوال کا ایسا مدلل جواب ارقام فرمایا کہ آپ کا یہ پہلا فتویٰ دیکھ کر بڑے بڑے علماء انگشت بدنداں ہو گئے۔

الحاصل......! ماہ صفر المظفر ۱۲۷۶ھ سے ماہ شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ تک کا زمانہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کا زمانہ طالب علمی Student life کا رہا۔

اب ہم دارالعلوم دیوبند کے قیام وفروغ کے تعلق سے دارالعلوم دیوبند ہی کی شائع کردہ کتب اور اکابر دیوبند کی دیگر کتب کے حوالے ٹٹولیں۔

دارالعلوم کا افتتاح

حوالہ نمبر 1

"۱۲۸۳ھ، ۱۸۶۶ء برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وہ مبارک ومسعود سال ہے جس میں شمالی ہند کی اس قدیم تاریخی بستی میں ان کی دینی وعلمی اور ملی وتہذیبی زندگی کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا، ۱۵؍محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰؍مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ، چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر دارالعلوم دیوبند کا افتتاح عمل میں آیا، حضرت مولانا ملا محمد دیوبندیؒ کو جو علم وفضل میں بلند پایہ عالم تھے مدرس مقرر کیا گیا، شیخ الہند حضرت مولانا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند کے وہ اولین شاگرد تھے جنہوں نے استاد کے سامنے کتاب کھولی، یہ عجیب اتفاق ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا، اس وقت رب السمٰوات والارض کے التفات اور چشم کرم پر بھروسہ کرنے کے سوا اور کوئی ظاہری سازوسامان نہ تھا، اخلاص وخدمتِ دین اور توکل علی اللہ کے جذبات کے سوا ہر سرمائے سے ان حضرات کا دامن خالی تھا، چنانچہ اس بے سروسامانی کے ساتھ افتتاح عمل میں آیا کہ نہ کوئی عمارت موجود تھی اور نہ طلباء کی جماعت، صرف ایک طالب علم اور ایک استاد"

(حوالہ:- "تاریخ دارالعلوم دیوبند" جلد ۱، ص ۱۵۵)

حوالہ نمبر 2

"دیوبند کی اس اسلامی درسگاہ کی ابتداء کب ہوئی، اس کا جواب دیتے ہوئے ہمارے مخدوم ومحترم فاضل گرامی قدر مولانا سید محمد میاں صاحب ناظم جمیعۃ العلماء، اپنی مشہور ومقبول کتاب "علماء ہند کا شاندار ماضی" میں یہ ارقام فرمانے کے بعد کہ۔

''۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۶ء تقریباً یوم پنجشنبہ اسلامی ہند کی تاریخ کا وہ مبارک دن ہے''
آگے ''انار و محمود'' والی حکایت لذیذ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں کہ ''تاریخ مذکور پر چند باخدا بزرگوں کا اجتماع ہوا۔ چندہ جمع کیا گیا، اور مسجد چھتہ کی فرش پر ''درخت انار'' کی ٹہنیوں کے سایہ میں ایک مدرسہ کا افتتاح ہوا۔

(حوالہ: سوانح قاسمی۔ مولفہ، سید مناظر احسن گیلانی۔ مطبع:۔ دارالعلوم دیوبند جلد ۲، ص ۲۱۵)

حوالہ نمبر 3

''دفعۃً محرم ۱۲۸۳ھ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد قائم ہونے کی خبر آپ (یعنی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی) کے کانوں میں پڑی اور یہ بھی سنا کہ صدر مدرس آپ کے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قرار پائے لہٰذا آپ کی طلب پر جوش آیا اور والدین سے اجازت چاہی کہ دیوبند بھیج دیں چنانچہ آپ دیوبند تشریف لائے اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے آپ کے لیے کافیہ کا سبق تجویز فرما کر جماعت کافیہ میں شریک کر دیا۔''

(حوالہ: ''تذکرۃ الخلیل'' مولفہ، محمد عاشق الٰہی میرٹھی۔ ناشر:۔ مکتب الشیخ محلہ مفتی سہارنپور، (یوپی) ص۔۴۰)

مندرجہ بالا تینوں حوالے سے ثابت ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کی ابتداء ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز پنجشنبہ چھتے کی پرانی مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے درخت کے نیچے ہوئی تھی۔ تب صرف ایک ہی طالب علم اور ایک ہی استاد تھا۔ دارالعلوم کی کوئی مستقل عمارت بھی نہیں تھی جس میں درس و تدریس اور قیام کا انتظام ہو سکے اور باضابطہ مدرسہ کا نظام ہو۔

دارالعلوم دیوبند میں درجۂ قرآن اور درجۂ فارسی کا آغاز

''سال گزشتہ میں قرآن شریف اور فارسی و ریاضی کی تعلیم کا انتظام نہ ہو سکا تھا اس لیے مقامی بچے ابتدائی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے دارالعلوم سے مستفیض نہ ہو سکتے تھے، اس دقت کو رفع کرنے کے لیے درجۂ قرآن شریف اور درجۂ فارسی و ریاضی کا اجراء کیا گیا، اور دونوں درجوں میں ایک ایک استاد پانچ پانچ روپے پر مقرر ہوا۔''

(حوالہ:۔ ''تاریخ دارالعلوم دیوبند''۔ جلد۔۱، ص۔۱۶۴)

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۲۸۴ میں دارالعلوم دیوبند میں درجۂ قرآن اور درجہ فارسی کا آغاز ہوا تھا۔

دارالعلوم دیوبند کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد

حوالہ نمبر 1

''جلسہ تقسیم اسناد کے بعد مجمع جامع مسجد سے اٹھ کر اس جگہ پہنچا جہاں دارالعلوم کی عمارت کی بنیاد رکھی جانے والی تھی، سنگ بنیاد حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے دست مبارک سے رکھوایا گیا، اس کے بعد ایک ایک اینٹ حضرت نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ نے رکھی یہ نام تو روداد میں مذکور ہے، ارواح ثلثہ کی روایت میں مزید دو نام حضرت میاں جی منے شاہؒ اور حضرت حاجی محمد عابدؒ کے بھی لکھے ہیں۔''

(حوالہ:۔ ''تاریخ دارالعلوم دیوبند''۔ جلد۔۱، ص۔۱۸۳)

حوالہ نمبر 2

''حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے تعمیر کا مادۂ تاریخ ''اشرف عمارات'' نکالا آٹھ سال کی مدت میں ۲۳۰۰۰ روپے کے صرف سے یہ عمارت ''نو درہ'' کے نام سے بن کر تیار ہوئی، اس عمارت کے دو درجے ہیں، ہر ایک درجے میں نو، نو دروازے ہیں، اس کا طول ۲۶ گز اور عرض ۱۲ گز ہے، دارالعلوم دیوبند کی یہ سب سے پہلی عمارت ہے۔''

(حوالہ: ''تاریخ دارالعلوم دیوبند''۔ جلد۔ ۱، ص۔ ۱۸۴، ۱۸۵)

حوالہ نمبر 3

''اشرف عمارات'' کے اعداد بحساب جمل ۱۲۹۳ آتے ہیں، سنگِ بنیاد ۲/ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو رکھا گیا۔''

(حوالہ: ''تاریخ دارالعلوم دیوبند''۔ جلد۔ ۱، ص۔ ۱۸۵)

اس عبارت سے ثابت ہوا کہ دارالعلوم دیوبند کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد ۲/ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو رکھا گیا تھا، اور اس عمارت کی تعمیر آٹھ سال کی مدت میں تکمیل کو پہونچی اور اس عمارت کا نام ''نو درہ'' رکھا گیا۔

۱۲۹۶ھ میں دارالعلوم دیوبند کو مدرسہ سے دارالعلوم دیوبند کا نام دیا گیا

دارالعلوم دیوبند کی حیثیت ابتداء میں ایک مدرسہ کی تھی اور اس مدرسہ کا نام ''مدرسہ اسلامی عربی۔ دیوبند'' تھا۔ بعدہٗ ۱۲۹۶ھ میں مذکورہ مدرسہ کو دارالعلوم دیوبند کا درجہ دیا گیا۔

''دارالعلوم دیوبند شروع شروع میں مدرسہ اسلامی عربی دیوبند کے نام سے موسوم رہا، دارالعلوم دیوبند ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کا اطلاق عموماً اس تعلیم گاہ پر ہوتا ہے جس میں جمیع علوم عقلیہ و نقلیہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہو، اور علوم و فنون کے ماہر اساتذہ کی جماعت طلبہ کی تکمیل علم و فن کے لیے موجود ہو، دارالعلوم اور یونیورسٹی ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں، اس تعریف کے لحاظ سے تو یہ مدرسہ شروع ہی سے دارالعلوم تھا۔ مگر یہ لفظ اس وقت تک استعمال نہیں کیا گیا جب تک دارالعلوم دیوبند نے علوم شرعیہ اور علوم معقولہ کا مناسب اور ضروری نصاب طلبہ کو ختم نہیں کرادیا، جب ملک میں جا بجا شاخیں قائم ہوگئیں اور عام طور پر اس کی تعلیم کو مستند مان لیا گیا اور علمی حلقوں میں اس کی مرکزیت تسلیم کی جانے لگی تو یکم صفر ۱۲۹۶ھ کو جلسۂ انعام کے موقع پر حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ:-

خداوند کریم کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے کہ تیرھواں سال اس مدرسہ کا جس کو دارالعلوم کہنا بجا ہے، بخیر وخوبی پورا ہوا، اس تھوڑے سے عرصہ میں اسلام اور اہل اسلام کو بے شمار نفع پہنچا۔''

(حوالہ: ''تاریخ دارالعلوم دیوبند'' جلد۔ ۱، ص۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸)

دارالعلوم میں بیرونی طلبہ کے ٹھہرنے کے لیے دارالطلبہ کی تعمیر ۱۳۱۶ھ تا ۱۳۱۸ھ

''گزشتہ سالوں میں دارالطلبہ کی تعمیر کے لیے جو اپیل کی گئی تھی وہ نتیجہ خیز ثابت ہوئی، نواب شاہ جہاں بیگم والیٔ بھوپال نے دارالطلبہ کی تعمیر کے لیے ایک گراں قدر رقم عنایت فرمائی، روداد میں تعمیر کی تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ بہت سے حجرے طلبہ کے لیے مدرسے کے متصل ایک علیحدہ احاطہ

(۳) تعلیم کی تکمیل

- اعلیٰحضرت امام احمد رضا ۱۴ر شعبان ۱۲۸۶ھ
- مولوی اشرفعلی تھانوی اوائل ۱۳۰۱ھ

نوٹ:-

امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۲۸۶ھ میں تمام علوم عقلیہ و نقلیہ کے تکمیل کر کے مسند افتاء پر فائز ہو چکے تھے، تب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب صرف چھ ۶ر سال کے بچے تھے، نیز مولوی اشرفعلی تھانوی ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تھے تب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علم کی تکمیل کو ۱۵ر سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(۴) دارالعلوم دیوبند کا قیام

- دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵ر محرم الحرام ۱۲۸۳ھ محلہ چھتہ کی پرانی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے صرف ایک استاد اور ایک شاگرد۔
- تب امام احمد رضا بریلی شریف میں اپنے مکان پر ایک جلیل القدر اساتذۂ کرام سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کی آخری منزل میں تھے۔

(۵) دارالعلوم دیوبند کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد

- دارالعلوم دیوبند کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد ۲ر ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو رکھا گیا اور آٹھ سال کی مدت میں یعنی ۱۳۰۰ھ میں ''نودرہ'' نامی پہلی عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی۔
- تب امام احمد رضا محقق بریلوی کو بحیثیت مفتی دینی خدمات انجام دینے کو چودہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(۶) دارالعلوم دیوبند کے دارالاقامہ **Hostel** کی تعمیر

- بیرونی طلبہ کو ٹھہرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کے دارالاقامہ کی تعمیر کا آغاز ۱۳۱۶ھ میں ہوا اور اس کی تکمیل ۱۳۱۸ھ میں ہوئی۔
- تب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی کو حصول علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کو ۳۲ر سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(۷) دارالعلوم دیوبند کے مطبخ (Mess) کا آغاز

- دارالعلوم میں پڑھنے والے بیرونی طلبہ جو دارالاقامہ میں ٹھہرتے تھے، ان کے کھانے پینے کا انتظام بصورت مطبخ ۱۳۲۸ھ میں کیا گیا۔
- تب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ''مجدد اعظم'' کی شان سے پورے عالم اسلام کے محبوب نظر بن کر خورشید علم و عرفان کی حیثیت سے درخشاں تھے اور علم کی تکمیل کو ۴۲ر سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

لہٰذا...... معزز قارئین کرام کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولوی اشرفعلی تھانوی دارالعلوم دیوبند میں ہم سبق اور ہم جماعت ہونے کے ساتھ ساتھ دارالاقامت میں ایک ساتھ رہتے تھے اور مطبخ میں ایک ساتھ کھاتے تھے یہ ایک ایسا گھنونا جھوٹ ہے کہ تاریخ کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

(۳) تعلیم کی تکمیل

- اعلیٰحضرت امام احمد رضا ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ
- مولوی اشرفعلی تھانوی اوائل ۱۳۰۱ھ

نوٹ:-

امام احمد رضا محدث بریلوی ۱۲۸۶ھ میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ کے تکمیل کر کے مسند افتاء پر فائز ہو چکے تھے، تب مولوی اشرفعلی تھانوی صاحب صرف چھ ۶ رسال کے بچے تھے، نیز مولوی اشرفعلی تھانوی ۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تھے تب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کے علم کی تکمیل کو ۱۵ رسال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(۴) دارالعلوم دیوبند کا قیام

- دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۵ رمحرم الحرام ۱۲۸۳ھ محلّہ چھتہ کی پرانی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے صرف ایک استاد اور ایک شاگرد۔
- تب امام احمد رضا بریلی شریف میں اپنے مکان پر ایک جلیل القدر اساتذۂ کرام سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کی آخری منزل میں تھے۔

(۵) دارالعلوم دیوبند کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد

- دارالعلوم دیوبند کی پہلی عمارت کا سنگ بنیاد ۲ رذی الحجہ ۱۲۹۲ھ کو رکھا گیا اور آٹھ سال کی مدت میں یعنی ۱۳۰۰ھ میں ''نودرہ'' نامی پہلی عمارت کی تعمیر مکمل ہوئی۔
- تب امام احمد رضا محقق بریلوی کو بحیثیت مفتی دینی خدمات انجام دینے کو چودہ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(۶) دارالعلوم دیوبند کے دارالاقامہ Hostel کی تعمیر

- بیرونی طلبہ کو ٹھہرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کے دارالاقامہ کی تعمیر کا آغاز ۱۳۱۶ھ میں ہوا اور اس کی تکمیل ۱۳۱۸ھ میں ہوئی۔
- تب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محقق بریلوی کو حصول علوم عقلیہ ونقلیہ کی تکمیل کو ۳۲ رسال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

(۷) دارالعلوم دیوبند کے مطبخ (Mess) کا آغاز

- دارالعلوم میں پڑھنے والے بیرونی طلبہ جو دارالاقامہ میں ٹھہرتے تھے، ان کے کھانے پینے کا انتظام بصورت مطبخ ۱۳۲۸ھ میں کیا گیا۔
- تب اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی ''مجدد اعظم'' کی شان سے پورے عالم اسلام کے محبوب نظر بن کر خورشید علم وعرفان کی حیثیت سے درخشاں تھے اور علم کی تکمیل کو ۴۲ رسال کا عرصہ گزر چکا تھا۔

لہٰذا...... معزز قارئین کرام کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولوی اشرفعلی تھانوی دارالعلوم دیوبند میں ہم سبق اور ہم جماعت ہونے کے ساتھ ساتھ دارالاقامت میں ایک ساتھ رہتے تھے اور مطبخ میں ایک ساتھ کھاتے تھے یہ ایک ایسا گھنونا جھوٹ ہے کہ تاریخ کو بھی مسخ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

اپنے عقائد باطلہ پر امام احمد رضا محدث بریلوی کی علم گرفت کو ڈھیلی کرنے کی عرض سے دورِ حاضر کے منافقین عوام میں یہ جھوٹی کہانی رائج کر رہے ہیں کہ اعلیٰحضرت امام احمد رضا اور مولوی اشرفعلی تھانوی دارالعلوم دیوبند میں ایک ساتھ پڑھتے تھے، رہتے تھے اور کھاتے تھے اور دورانِ طالبِ علمی ان دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا نے مولوی اشرفعلی تھانوی اور دیگر اکابر علمائے دیوبند پر ''کافر'' کا فتویٰ صادر کر دیا اور تعلیم ادھوری چھوڑ کر دیوبند سے بریلی واپس چلے گئے......

اور یہی اصلی وجہ سنی اور وہابی کے اختلاف کی ہے۔

لیکن اگر خود دیوبندی مکتبۂ فکر کی مستند کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو تاریخ کی روشنی میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح سامنے آئے گی کہ:۔

تھانوی صاحب کا امام احمد رضا کے ساتھ پڑھنا ایک غیر ممکن تصور ہی ہے۔ کیونکہ جب امام احمد رضا تکمیلِ علومِ دینیہ کے بعد ایک عظیم مفتی کی حیثیت سے خدمتِ دین میں ہمہ تن مصروف تھے۔ اس وقت تھانوی صاحب بالکل جاہل تھے اور جہالت کے اندھیرے میں بھٹکنے کے باعث ایسی ایسی حرکتیں کرتے تھے کہ وہ حرکتیں دیکھ کر ایک جاہل بلکہ فٹ پاتھ کے موالی کا بھی سر شرم سے جھک جائے۔ مثلاً

(۱) تھانوی صاحب نے اپنے والد کی چارپائی کے پائے رسی سے باندھ دیئے۔ نتیجتاً بر سات میں چارپائیاں بھیگ گئیں۔

(۲) تھانوی صاحب نے اپنے بھائی کے سر پر پیشاب کیا۔

(۳) میاں الٰہی بخش کی مسجد کے نمازیوں کے جوتے تھانوی صاحب نے شامیانہ پر ڈال دیئے۔

(۴) تھانوی صاحب نے اپنے سوتیلے ماموں کی دال کی رکابی میں کتے کا پلّہ ڈال دیا۔

کیا اب بھی یہ دعویٰ ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی اور مولوی اشرف علی تھانوی نے ایک ساتھ پڑھا تھا؟ ہرگز نہیں۔ ان دونوں کا ایک ساتھ پڑھنا ممکن ہی نہیں بلکہ ساتھ میں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اختتام پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ:۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے، نہ ہم فریادیں کرتے
نہ کھلتے راز سربستہ، نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

عبدالستار ہمدانی ''مصروف''

برکاتی، نوری

۵/ رمضان المبارک ۱۴۱۷ھ

مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۹۷ء بروز چہارشنبہ